اللہ تعالیٰ کی صفتِ غفار اور استغفار کی حقیقت

(خطبہ جمعہ فرمودہ ۹ / مارچ ۱۹۸۴ء بمقام مسجد اقصیٰ ربوہ)

تشہد وتعوذ اور سورۂ فاتحہ کے بعد حضور نے مندرجہ ذیل آیات کی تلاوت فرمائی:

وَاِذَا جَآءَكَ الَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِاٰيٰتِنَا فَقُلْ سَلٰمٌ عَلَيْكُمْ كَتَبَ رَبُّكُمْ عَلٰى نَفْسِهِ الرَّحْمَةَ ۙ اَنَّهٗ مَنْ عَمِلَ مِنْكُمْ سُوْٓءًا ۢ بِجَهَالَةٍ ثُمَّ تَابَ مِنْۢ بَعْدِهٖ وَاَصْلَحَ فَاَنَّهٗ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝ (الانعام: ۵۵)

وَاٰخَرُوْنَ مُرْجَوْنَ لِاَمْرِ اللّٰهِ اِمَّا يُعَذِّبُهُمْ وَاِمَّا يَتُوْبُ عَلَيْهِمْ ۭ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ۝ (التوبۃ: ۱۰۶)

وَاٰخَرُوْنَ اعْتَرَفُوْا بِذُنُوْبِهِمْ خَلَطُوْا عَمَلًا صَالِحًا وَّاٰخَرَ سَيِّئًا ۭ عَسَى اللّٰهُ اَنْ يَّتُوْبَ عَلَيْهِمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝ (التوبۃ: ۱۰۲)

اور پھر فرمایا:

یہ تینوں آیات جو میں نے تلاوت کی ہیں ان کا تعلق اللہ تعالیٰ کی صفت غفوریت سے

ہے، غفاری سے اور اس کی مغفرت سے، اور پہلی آیت جو سورۃ الانعام سے لی گئی ہے اس کا ترجمہ یہ ہے کہ جب تیرے پاس وہ لوگ آئیں جو ہماری آیتوں پر ایمان لاتے ہیں تو تو انہیں کہہ تم پر ہمیشہ سلامتی ہو تمہارے رب نے اپنے آپ پر رحمت کو فرض کر لیا ہے اس طرح کہ تم میں سے جو کوئی غفلت میں کوئی بدی کر بیٹھے پھر وہ اس کے بعد توبہ کر لے اور اصلاح کرے تو اس خدا کی صفت یہ ہے کہ وہ بہت بخشنے والا اور بار بار رحم کرنے والا ہے۔

دوسری آیت کا ترجمہ یہ ہے جو سورۃ توبہ سے لی گئی تھی کچھ اور لوگ ہیں جو خدا تعالیٰ کے حکم کے انتظار میں چھوڑے گئے ہیں اس کو یعنی خدا تعالیٰ کو اختیار ہے کہ خواہ ان کو عذاب دے یا ان کی توبہ قبول فرمائے اور اللہ بہت جاننے والا اور حکمت والا ہے۔

پھر دوسری آیت سورۂ توبہ کی یہ بیان کرتی ہے کہ کچھ اور لوگ ہیں جنہوں نے اپنے گناہوں کا اقرار کیا انہوں نے نیک عملوں کو کچھ اور عملوں سے جو برے تھے ملا دیا یعنی بدیاں بھی کیں اور نیکیاں بھی کیں، قریب ہے کہ اللہ تعالیٰ ان پر فضل فرما دے یعنی جیسے ہم محاورۃً یہ کہہ سکتے ہیں کہ بعید نہیں کہ خدا تعالیٰ ان پر بھی فضل فرما دے، اللہ بہت بخشنے والا اور بار بار رحم کرنے والا ہے۔

گزشتہ خطبہ میں مَیں نے خدا تعالیٰ کی صفت غفاری سے متعلق یہ بیان کیا تھا کہ اس کا ایک معنی جو نہایت اعلیٰ درجہ کا اور بہت ہی بلند پایہ معنی ہے اس کا اطلاق سب سے بڑھ کر حضرت اقدس محمد مصطفیٰ ﷺ پر ہوتا ہے اور اسی طرح آپؐ کی ذیل میں دیگر انبیاء پر۔ وہاں استغفار کا معنی یہ بنتا ہے کہ اے خدا! ہمیں گناہوں سے دور رکھ، ہمیں اپنی محبت میں ڈھانپ لے یہاں تک کہ گناہوں کو یہ توفیق نہ ملے کہ ہم تک پہنچ سکیں۔ ادنیٰ ہوں یا بڑے ہر قسم کے گناہوں سے ہمیں دور رکھیو ہمارے درمیان فاصلے کر ڈال۔ یہ معنی ہیں جن معنوں میں انبیاء استغفار کرتے ہیں اور ان معنوں میں سب سے زیادہ اعلیٰ اور ارفع طور پر یہ صفت آنحضور ﷺ کی ذات اقدس سے تعلق رکھتی ہے لیکن اس کے اور بھی بہت سے معانی ہیں اور ان معانی میں گناہگار بندوں کا بھی ذکر چلتا ہے۔ تھوڑے گناہگار بندوں کا بھی ذکر چلتا ہے اور زیادہ گناہگار بندوں کا بھی۔ ایسے بھی جنہوں نے کچھ نیک اعمال کئے اور کچھ بداعمال کئے اور ان کی زندگی نیک و بد کے درمیان لٹکتی رہی۔ ایسے بندے بھی جن کے بداعمال زیادہ غالب آ گئے لیکن ان کے متعلق بھی ان کا معاملہ اللہ پر چھوڑ دیا گیا، وہ چاہے تو انہیں بخش

دے چاہے تو نہ بخشے۔

ان دو لحاظ سے جب ہم خدا کی صفت غفاری پر غور کرتے ہیں تو اس کی ایک حد ربوبیت سے ملی ہوئی نظر آتی ہے اور دوسری حد مالکیت سے ملی ہوئی نظر آتی ہے۔ ربوبیت کے لحاظ سے استغفار کے وہ معنے ہوں گے جو اول طور پر مذکور ہوئے، اگرچہ دوسرے معنے میں بھی ربوبیت جلوہ گر ضرور ملتی ہے لیکن اس کا زیادہ تر تعلق صفت مالکیت سے ہے۔ خدا تعالیٰ اپنے بندوں کی تربیت اس طرح بھی کرتا ہے کہ وہ خدا کے حضور ہمیشہ یہ استدعا کرتے رہتے ہیں کہ ہمیں اپنی ذات میں گناہ سے بچنے کی طاقت نہیں ہے، ہمیں کوئی زعم نہیں، ہم یہ نہیں کہتے کہ ہم اپنے اعمال یا قوت ارادی کے زور سے گناہ سے بچ کر پاک لوگوں میں شمار کئے جاسکتے ہیں اس لئے تو ہم پر رحم فرما اور ہمیں گناہوں سے دور رکھ اس طرح کہ گناہوں اور ہمارے درمیان تیری محبت حائل ہو جائے۔ ہم تیری محبت میں مستغرق ہو جائیں اور اس وجہ سے ہم گناہوں سے بچائے جائیں۔

تو ربوبیت کا یہ معنی بڑی قوت اور شان کے ساتھ صفت غفاریت سے تعلق رکھتا ہے۔ اس کے ذریعہ انسان ہمیشہ ادنیٰ سے اعلیٰ حالتوں کی طرف ترقی کرتا چلا جاتا ہے اور اس ترقی کی راہ میں جو خدشات ہیں استغفار کے ذریعے ان خدشات سے بچتا ہے۔ ان ٹھوکروں سے بچتا ہے جن کے نتیجہ میں بسا اوقات ایک ترقی یافتہ انسان بھی تحت الثریٰ میں جا گرتا ہے۔ چنانچہ قرآن کریم اس ضمن میں بلعم باعور کی مثال دیتا ہے۔ وہ نام تو بلعم باعور نہیں لیتا لیکن ایک کتے کی مثال دے کر اس کا ذکر کیا گیا ہے کہ اس میں ایسی صفات تھیں اور ایسے اعمال کی طاقت تھی کہ جس کے نتیجہ میں اس کا رفع ہو سکتا تھا لیکن اس نے استکبار سے کام لیا اور دنیا کی طرف جھک گیا یعنی دنیاوی ذرائع پر اس نے بنا کی اور دنیا کی طرف اس کا میلان بڑھ گیا نتیجہ یہ نکلا کہ وہ استغفار سے محروم رہا اور اللہ تعالیٰ سے نیکی طلب کرنے کی بجائے اس نے اپنی انانیت پر زور دیا۔ یہ مفہوم ہے اس ذکر کا جو بلعم باعور کا ملتا ہے (الاعراف: ۱۷۷)۔ چنانچہ خدا تعالیٰ نے پھر اسے دنیا کی طرف جھکنے دیا اور اس کا رفع نہ فرمایا۔ اس کے متعلق روایات آتی ہیں کہ ایک وقت میں اپنی زندگی میں یہ بڑے اولیاء کے مقام تک پہنچ گیا تھا اور اس کے اندر غیر معمولی صفات پائی جاتی تھیں ترقی کی لیکن چونکہ اس نے استکبار سے کام لیا اور یہ زعم اس کے دماغ میں پیدا ہو گیا کہ گویا میں اپنے زور سے نیکی کر رہا ہوں اس لئے بڑے بلند مقام سے وہ گرایا گیا ہے اور بہت بلند چوٹی سے

جو گرتا ہے اتنا ہی زیادہ اس کو نقصان پہنچتا ہے۔ تو استغفار میں ربوبیت کے تمام پہلو شامل ہیں، آغاز بھی اور انجام بھی اور استغفار انجام تک انسان کی ربوبیت کرتا چلا جاتا ہے اور ٹھوکروں سے اور لغزشوں سے اس کی حفاظت کرتا ہے۔ ان معنوں میں آنحضور ﷺ نے سب سے زیادہ استغفار فرمایا، اور کسی انسان کو یہ توفیق نہیں ملی کہ وہ اس حد تک استغفار کرے۔

جو اس طرح استغفار کرتے ہیں ان کا رخ صرف خدا کی جانب نہیں ہوتا بلکہ بالکل اسی طریق پر وہ خدا کے بندوں کی ربوبیت کرتے ہیں اور ان معنوں میں وہ مزکی ہو جاتے ہیں۔ جتنا زیادہ استغفار کرنے والا ہوگا اتنا زیادہ اس کے اندر تزکیہ کا رجحان پایا جائے گا۔ اتنا زیادہ وہ بنی نوع انسان کو پاک کرنے کی بے پناہ خواہش اپنے اندر رکھتا ہوگا۔ چنانچہ آنحضور ﷺ ایک پہلو سے **مستغفِر** تھے یعنی خدا تعالیٰ سے بکثرت استغفار کر کے بلند مراتب حاصل کرنے والے، ترقی کرنے والے، ربوبیت کی وہ انتہائی منازل طے کرنے والے جو انسان کے مقدر میں ہیں اور دوسری طرف بندوں کے لئے مزکی بن گئے۔ بندوں کے لئے رب نہیں تھے کیونکہ ربوبیت ایک ایسی صفت ہے جو خدا تعالیٰ کے لئے استعمال ہوتی ہے بندوں کے لئے استعمال نہیں ہوتی لیکن جب روحانی طور پر ایک انسان اپنے رب کی صفات اختیار کرتا ہے تو وہ بندوں کے لئے مزکی بن جاتا ہے، وہ ان کو پاک کرنے لگتا ہے اور ان دونوں چیزوں کا ایک دوسرے سے گہرا تعلق ہے۔ وہ لوگ جو استغفار تو کرتے ہیں لیکن خدا تعالیٰ کے بندوں کی اصلاح احوال کی فکر نہیں کرتے اسی قدر ان کی استغفار اپنے ماحصل سے، اپنے مطلوب سے محروم رہ جاتی ہے۔ یہ نہیں ہوسکتا کہ انسان اللہ تعالیٰ سے تو یہ چاہے کہ تو مجھے گناہوں سے دور رکھ اور اپنی محبت میں ڈھانپ لے اور اس کے بندوں میں فحشاء کو دیکھنا پسند کرے اور ان سے محبت اور پیار کا سلوک نہ کرے ان کو اپنے ساتھ جوڑ کر ان کی اصلاح کی کوشش نہ کرے۔

ان معنوں پر جب ہم نگاہ ڈالتے ہیں تو تربیت کا ایک بہت ہی اعلیٰ نکتہ ہمارے ہاتھ آتا ہے اور وہ یہ ہے کہ بندوں کی اگر آپ اصلاح کرنا چاہتے ہیں تو جس طرح خدا تعالیٰ کی محبت حائل ہوتی ہے گناہ کے درمیان اور ایک انسان کے درمیان اسی طرح انسان کی محبت حائل ہو جاتی ہے ایک بد کے درمیان اور اسکی بدیوں کے درمیان اور جب تک محبت نہ ہو اصلاح کامل نہیں ہوسکتی اس لئے جو تربیت کا دعویٰ کرتا ہے جو مزکی ہونے کا دعویٰ کرتا ہے اس کے لئے ضروری ہے کہ اس کے اخلاق نرم

ہوں، اس کے اندر رحمت کا جذبہ پایا جاتا ہو۔ وہ اپنے ساتھ جوڑ لے انسان کو اور اس جوڑنے کے نتیجہ میں اس کا تزکیہ ہو۔ چنانچہ آنحضور ﷺ دونوں پہلوؤں سے سب بنی نوع انسان سے زیادہ کامل نظر آتے ہیں۔ اتنا گہرا محبت کا تعلق آپؐ نے اپنی ذات کے ساتھ پیدا کر دیا کہ بہت بڑا مقام اس محبت کا تھا ان جاہل عربوں کی اصلاح میں جن کی چند سالوں میں کایا پلٹ دی گئی۔ اگر آنحضور ﷺ کی غیر معمولی محبت ان کے دل میں نہ پیدا ہوئی ہوتی تو ان کو طاقت نہیں تھی گناہوں سے بچنے کیلئے ان میں استطاعت نہیں تھی کہ وہ اپنی بدیوں اور سینکڑوں سال سے خون میں ملی جلی بدیوں سے دور رہ سکیں۔

پس آج بھی یہی نسخہ کارگر ہوگا۔ وہ جو تربیت کا دعویٰ کرتے ہیں اور جو استغفار کرنا چاہتے ہیں اور چاہتے ہیں کہ ان کا استغفار مقبول ہو ان کو بالکل یہی سلوک جو وہ خدا سے چاہتے ہیں اللہ کے بندوں سے کرنا پڑے گا اور پیار اور محبت کے دائرہ کو وسیع کرنا پڑے گا اور محبت کی قوت میں شدت پیدا کرنی پڑے گی یہاں تک کہ مجبور ہو جائیں لوگ اپنے تزکیہ کے لئے آپ کی محبت کی بنا پر۔ نفرت اور تزکیہ میں ایک ایسا بُعد ہے جیسے مشرق اور مغرب کا بُعد ہے۔ اور وہ لوگ جو نفرت کے ذریعہ اصلاح کرنا چاہتے ہیں لازماً جھوٹے ہیں کیونکہ قرآن کریم جگہ جگہ ان کی تردید فرما رہا ہے اور انسانی فطرت اس خیال کو دھکے دے رہی ہے۔

استغفار کے مضمون پر ہی اگر آپ غور کریں تو آپ کو یہ حکمت سمجھ آئے گی کہ بنی نوع انسان کی اصلاح کا دعویٰ اور نفرت کا ہتھیار لے کر نکلنا یہ دونوں باتیں اکٹھی نہیں چل سکتیں۔ آنحضور ﷺ کے متعلق قرآن کریم فرماتا ہے:

لَوْ كُنْتَ فَظًّا غَلِيْظَ الْقَلْبِ لَانْفَضُّوْا مِنْ حَوْلِكَ ۠ (آل عمران: ۱۶۰)

کہ اے محمد! (ﷺ) تو جو تمام خوبیوں کا مجمع ہے تیری ذات میں اکٹھی ہیں بے انتہاء خوبیاں اگر صرف ایک خوبی سے بھی عاری ہوتا ہے یعنی فَظًّا غَلِيْظَ الْقَلْبِ ہو جاتا، تیرے دل میں سختی پیدا ہو جاتی، تو ترش رو ہو جاتا لَانْفَضُّوْا مِنْ حَوْلِكَ یہ سارے بندے جو آج عاشقوں کی طرح تیرے گرد اکھٹے ہوئے ہیں اور پروانہ وار تیری محبت میں جلنا چاہتے ہیں یہ سب تجھے چھوڑ کر بھاگ جاتے، تو کتنا عظیم الشان نکتہ ہے۔ اور حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے

استغفار کی یہی تعریف فرمائی ہے کہ استغفار خدا تعالیٰ کی محبت میں چھپنے کا نام ہے۔ کتنی عارفانہ تفسیر ہے جو اس سے پہلے آپ کو کبھی کسی مفسر کے قلم سے نکلتی ہوئی دکھائی نہیں دے گی۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام فرماتے ہیں:

''اور استغفار جس کے ساتھ ایمان کی جڑیں مضبوط ہوتی ہیں قرآن شریف میں دو معنی پر آیا ہے۔ ایک تو یہ کہ اپنے دل کو خدا کی محبت میں محکم کر کے گناہوں کے ظہور کو جو علیحدگی کی حالت میں جوش مارتے ہیں''

کتنا گہرا فلسفہ گناہ کا بیان فرما دیا استغفار کی تعریف میں کہ گناہ خدا سے دوری کے نتیجے میں جوش مارتے ہیں اور اس کی محبت کے نتیجے میں خود بخود پگھلنے لگتے ہیں۔ فرمایا:

''خدا تعالیٰ کے تعلق کے ساتھ روکنا اور خدا میں پیوست ہو کر اس سے مدد چاہنا۔ یہ استغفار تو مقربوں کا ہے''

یعنی انبیاء اور بڑے بڑے اولیاء اور ان بزرگوں کا جو مقربین کی صف میں شمار ہوتے ہیں۔

''جو ایک طرفۃ العین خدا سے علیحدہ ہونا اپنی تباہی کا موجب جانتے ہیں''

ایک لمحہ کے لئے بھی وہ خدا سے دور ہونا پسند نہیں کرتے اور خدا کے ساتھ رہتے ہیں۔ یہ استغفار تو مقربوں کا ہے۔

''اس لئے استغفار کرتے ہیں تا خدا اپنی محبت میں تھامے رکھے''

یعنی گناہوں سے بخشش کا کوئی تصور یہاں اس میں نہیں آتا گناہوں سے بچنے کے معنوں میں استعمال ہوتا ہے اور خالصۃً محبت الٰہی کے نتیجہ میں گناہوں سے بچنے کے لیے جو تمنا دل میں پیدا ہوتی ہے اسے استغفار کہا جاتا ہے۔

''اور دوسری قسم استغفار کی یہ ہے کہ گناہ سے نکل کر خدا کی طرف بھاگنا اور کوشش کرنا کہ جیسے درخت زمین میں لگ جاتا ہے ایسا ہی دل خدا کی محبت کا اسیر ہو جائے''۔

(سراج الدین عیسائی کے چار سوالوں کا جواب، روحانی خزائن جلد ۱۲ صفحہ نمبر ۳۴۶، ۳۴۷)

چنانچہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام گناہوں کی بخشش کے معنوں میں بھی جب استغفار کی تفسیر فرماتے ہیں تو یہ معنے نہیں لیتے کہ منہ سے کہہ دینا کہ اے خدا میرے گناہ بخش دے تو اس کے نتیجہ میں خدا تعالیٰ گناہ بخش دیتا ہے بلکہ یہ معنے لیتے ہیں کہ اگر دل میں یہ پاک تمنا ساتھ پیدا ہو کہ خدا مجھے گناہوں سے دور کر دے اور پھر استغفار کرے تو پھر اس کی صفت مالکیت ظاہر ہوتی ہے۔ پھر ناپ تول نہیں کئے جاتے، پھر یہ نہیں دیکھا جاتا کہ گناہ زیادہ تھے یا نیکیاں زیادہ ہیں۔ احادیث سے پتہ چلتا ہے کہ بعض دفعہ ایک لمحہ کے لئے اللہ کی محبت جب دل پہ جلوہ گر ہوتی ہے یا خدا کی خاطر بنی نوع انسان کی محبت دل میں جلوہ گر ہوتی ہے تو اللہ تعالیٰ تمام بدیوں کے حساب کو کالعدم کر دیتا ہے اور یہاں اس کی صفت مالکیت استغفار کی قبولیت کے رنگ میں ظاہر ہوتی ہے۔ ان معنوں میں اللہ تعالیٰ کی صفت غفاری کا مالکیت سے ایک گہرا تعلق ہے۔ چنانچہ اس مضمون میں بہت سی احادیث ملتی ہیں جن میں سے بعض کو میں نے آج کے خطبہ کے لئے موضوع بنایا ہے۔

حضرت اقدس محمد مصطفی ﷺ فرماتے ہیں ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ ایک حدیث قدسی ہے یعنی آنحضور ﷺ نے اس بات کو خدا کی طرف منسوب کر کے بیان فرمایا کہ اللہ نے مجھے خبر دی ہے۔ حدیث قدسی کے الفاظ ہیں ''اے میرے بندو! (یعنی خدا کہہ رہا ہے) تم سب راہ گم کردہ ہو سوائے اس کے جس کو میں راہ دکھاؤں پس مجھ سے ہدایت طلب کرو میں تمہیں ہدایت دوں گا۔ تم سب نادار اور محتاج ہو سوائے اس کے جس کو میں بے نیاز کروں پس مجھ سے اپنا رزق مانگو اور تم سب گنا ہگار ہو سوائے اس کے جس کو میں بچاؤں پس تم میں سے وہ جو یقین رکھتا کہ میں گناہ بخشنے کی قدرت رکھتا ہوں وہ مجھ سے بخشش طلب کرے میں اسے بخش دوں گا اور بخشش میں بالکل نہیں ہچکچاؤں گا۔ اگر تمہارے اولین اور آخرین، تمہارے زندے اور تمہارے مردے، تمہارے تر و تازہ اور تمہارے بیمار اور خشک، سب تقویٰ شعار دل رکھنے والے ہوں تو ان سب کا بہترین متقی ہونا میری سلطنت اور ملکیت میں ایک مچھر کے پر کے برابر بھی اضافہ نہیں کر سکتا۔ اور اگر تمہارے اولین اور آخرین اور تمہارے زندے اور تمہارے مردے، تمہارے جوان اور تمہارے بوڑھے بدتر اور شقی القلب ہو جائیں تو ان کی یہ برائی میری سلطنت میں ایک مچھر کے پر کے برابر بھی کمی نہیں کر سکتی۔ اور اگر تمہارے اولین اور آخرین زندے اور مردے، جوان اور بوڑھے ایک میدان میں اکٹھے ہو جائیں

اور پھر تم سے ہر ایک اپنی سب مرادیں مانگنے لگے اور میں ہر ایک کو اس کا مطالبہ پورا کر دوں تو میری یہ عطا میرے ملک کے خزانوں میں اتنا بھی کمی نہیں کرے گی جتنا ایک سوئی جسے سمندر میں ڈبویا جائے اور باہر نکالا جائے تو اس کے ناکے پر کچھ تھوڑا سا پانی لگا رہ جائے۔ پھر اللہ تعالیٰ فرمائے گا میں جواد ہوں، میں ماجد ہوں، جو چاہوں کرتا ہوں، مری عطا بھی کلام ہے، میرا عذاب بھی کلام ہے“۔

(سنن ابن ماجہ کتاب الزھد باب ذکر التوبہ)

اس حدیث میں خدا تعالیٰ کی صفت مالکیت کے ساتھ اس کی مغفرت کو جوڑا گیا ہے اور وہ گناہگار بندے جو حد سے زیادہ گناہوں میں ڈوب چکے ہوں ان کو بھی مایوسی سے نکال دیا گیا ہے اور یہ اعلان ہے کہ جہاں تک خدا تعالیٰ کی ملکیت کا تعلق ہے اس کی بخشش کی راہ میں کوئی بھی روک نہیں لیکن مالک ہے جسے چاہے گا بخشے گا جسے چاہے گا نہیں بخشے گا اور اس مضمون کو بیان کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے جو شرائط واضح فرمائی ہیں ان کا ان آیات میں ذکر گزر چکا ہے جو میں نے پہلے پڑھ کر آپ کو سنائیں۔ ان آیات سے تعلق رکھنے والی جو مختلف شرائط ہیں یا ایسے مواقع جن پہ خدا تعالیٰ کی مغفرت خاص جوش مارتی ہے ان کا بیان آنحضور ﷺ نے مختلف حکایات کے رنگ میں اور مختلف فرمودات میں فرمایا ہے۔

ایک حدیث جو حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی ہے اس میں وہ بیان کرتے ہیں کہ حضور ﷺ نے فرمایا ”اللہ تعالیٰ نے اپنے ایک بندے کے بارہ میں یہ حکم دیا کہ اسے دوزخ میں لے جاؤ، جب وہ دوزخ کے کنارے پر جا کھڑا ہوا تو مڑ کر کہا اے میرے اللہ! میرا گمان تو تیرے بارہ میں بہت اچھا تھا یعنی میں تو آپ سے حسن ظن رکھتا تھا تو اللہ تعالیٰ فرمائے گا اسے واپس لے جاؤ کیونکہ میں اپنے بندہ کے گمان کے مطابق ہی اس سے سلوک کرتا ہوں“۔

(الترغیب والترھیب باب فی الرجاء، شعب الایمان باب فی الرجاء من اللہ تعالیٰ)

تو سب سے بنیادی بات اللہ تعالیٰ کے متعلق اپنے ظن کو درست کرنا ہے اور یہ خیال کہ ظن درست ہو جائے گا ایک کلمہ سے، یہ غلط ہے جو اللہ تعالیٰ کے متعلق ظن درست رکھتا ہے وہ جب ابتلاؤں میں ڈالا جاتا ہے تو ٹھوکر کھانے کے باوجود بھی خدا تعالیٰ کے متعلق اپنا تصور درست رکھتا ہے۔ اگر اس کی دعا خدا قبول نہیں بھی کرتا تو راضی برضا رہتا ہے۔ اگر کسی ابتلا سے اللہ تعالیٰ اس کو بظاہر نہیں نکالتا تو

اس وقت اس کے دل میں بغاوت کے خیالات پیدا نہیں ہوتے اور گناہوں میں جب وہ ملوث ہو جاتا ہے اور بے اختیار پاتا ہے اپنے آپ کو تب بھی یقین کامل اسکے دل میں رہتا ہے اور کبھی یہ متزلزل نہیں ہوتا کہ اگر اللہ چاہے تو مجھے بخش سکتا ہے اور اسی قسم کا سلوک وہ خدا کی مخلوق سے بھی کرتا ہے۔ یہ وہ ظن ہے جس کے متعلق ہمیں پتہ چلتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس ظن کی اتنی قدر فرمائے گا کہ ایسا شخص جس کے متعلق جہنم کا فیصلہ ہو چکا ہو، یہ تقدیر جاری ہوگئی ہو کہ یہ جہنم میں جائے گا کیونکہ آخری تجزیہ میں اس کے بداعمال کا پلڑا بہت زیادہ بھاری رہا تب بھی یہ حسن ظن انسان کو آخری ہلاکت سے بچا سکتا ہے۔

تو استغفار کرنے والوں کے لئے اس میں بہت ہی عظیم الشان حکمت کا پیغام ہے کہ اللہ تعالیٰ سے اپنے ظن کو کبھی میلا نہ ہونے دیں، ہمیشہ خدا تعالیٰ سے حسن ظن کا معاملہ کریں اور جو اللہ تعالیٰ سے حسن ظن رکھتا ہے یہ ہو نہیں سکتا کہ وہ بنی نوع انسان سے حسن ظن نہ رکھے۔ یہ ایک اور پہلو ہے جس کو خود آنحضور ﷺ نے ظاہر فرمایا مختلف رنگ میں کہ جو شخص بندوں سے یہ سلوک نہیں کرتا وہ خدا سے بھی یہ سلوک نہیں کرتا جو بندوں کا شکر ادا نہیں کرتا وہ خدا کا بھی شکر ادا نہیں کرتا، جو بندوں پر رحم نہیں کرتا وہ خدا کے رحم کا طالب نہیں ہو سکتا تو حضور اکرم ﷺ نے اس مضمون کو اتنا کھول دیا ہے کہ اس کے بعد یہ خیال یا یہ وہم کہ حسن ظن کا صرف ایک راستہ ہوگا اور وہی انسان کو بچائے گا یہ غلط ہے۔ خدا تعالیٰ پر حسن ظن رکھنے والا خدا کے بندوں پر بھی حسن ظن رکھتا ہے، اور وہی حسن ظن قبول ہوگا یا اسی کا حسن ظن قبول ہوگا جو اپنے اللہ پر بھی حسن ظن رکھتا ہے اور اس کے بندوں پر بھی حسن ظن رکھتا ہے ان کے ساتھ بھی حسن ظنی والے معاملات کرتا ہے بدظنی والے معاملات نہیں کرتا۔ ایسے شخص کے لئے خوشخبری ہے کہ اگر اس کی کمزوریاں غالب آجائیں اور وہ گناہ سے نہ بچ سکا ہو اور اس کے گناہوں کا پلڑا نمایاں طور پر حاوی بھی ہو گیا ہو تب بھی اللہ تعالیٰ اس حسن ظن کے نتیجہ میں اسے معاف فرما دے گا۔

اس کے علاوہ اللہ تعالیٰ کے خوف کا استغفار سے بڑا گہرا تعلق ہے یعنی بعض اوقات انسان حیران ہوتا ہے کہ ایک انسان جو اتنی لمبی بدیاں کر چکا تھا اسے بخشا کیوں گیا اور اس قسم کی احادیث پڑھ کر یہ ذہن میں خیال پیدا ہوتا ہے کہ پھر کوئی فرق نہیں پڑتا بدیاں کر لینی چاہئیں حالانکہ اس قسم کی بدیوں کی جرأت اس خوف کو کھا جاتی ہے اور ٹکراتی ہے اس خوف سے جس کے نتیجہ میں انسان بخشا جاتا ہے اس لئے جسارت کے نتیجہ میں بدیاں کرنا اس کا کوئی جواز کہیں نہیں ملتا نہ قرآن کریم میں نہ احادیث

میں لیکن ایک انسان بعض دفعہ اپنے معاشرہ کی وجہ سے، اپنے پیدائشی حالات کی وجہ سے اور اپنی اندرونی جبلی بعض رجحانات کی بنا پر بدیوں سے مغلوب ہو جاتا ہے اور ہر بدی کے وقت بھی خدا کا خوف دامن گیر رہتا ہے اور ساری عمر اس کے ذہن پر یہ چیز غالب آجاتی ہے کہ وہ خدا سے ڈرتا ہے اور خوف کھاتا ہے کہ میرے ساتھ کیا ہوگا۔ ایسے شخص کی حالت کے متعلق آنحضور ﷺ بیان فرماتے ہیں:

''آپؐ نے فرمایا ایک آدمی جس نے کبھی کوئی نیکی نہیں کی تھی اپنے اہل سے کہا کہ جب میں مرجاؤں تو مجھ کو جلا دینا اور میری راکھ کو آدھا خشکی میں اور آدھا سمندر میں بہا دینا۔ خدا کی قسم اگر اللہ نے مجھ پر قابو پالیا تو پھر مجھے ایسی سزا دے گا کہ دنیا بھر میں کسی کو نہ دی ہوگی آنحضور ﷺ فرماتے ہیں جب وہ آدمی مرا تو انہوں نے اسی طرح کیا جس طرح اس نے کہا تھا لیکن اللہ تعالیٰ نے خشکی اور تری کو حکم دیا کیونکہ وہ مالک ہے کہ اس کی راکھ کے ذرات کو جمع کرو۔ پس وہ جمع ہوئی اور اسے وجود ملا تو اللہ نے اس سے پوچھا تم نے ایسا کیوں کیا تھا؟ اے میرے بندے! تو نے کیوں وصیت کی تھی کہ تجھے جلا کر خاک کر دیا جائے اور آدھے ذروں کو خشکی میں بکھیر دیا جائے اور آدھوں کو سمندر میں غرق کر دیا جائے؟ تو اس نے عرض کی کہ اے میرے رب! تو تو جانتا ہے کہ میں نے کیوں ایسا کیا تھا۔ میں نے صرف تیرے خوف کی وجہ سے ایسا کیا تھا۔ اللہ تعالیٰ اسے فرمائے گا کہ تو نے میرا خوف کیا تھا اس لئے میں تجھے بخش دیتا ہوں'' (مسند احمد کتاب مسند المکثرین من الصحابہ مسند عبداللہ بن مسعود)

اور وہ سارے گناہ جن کے مقابل پر ایک بھی نیکی نہیں تھی صفت مالکیت جب جلوہ گر ہوئی تو ان کو خاک کی طرح اڑا دیا۔ کچھ باقی نہیں چھوڑا ان گناہوں کا لیکن اِعْتَرَفُوْا بِذُنُوْبِهِمْ میں اپنے درجہ کمال کو پہنچا ہے یہ شخص اور خوف خدا میں درجہ کمال کو پہنچا ہے، کوئی دوسری عملی نیکی ہو یا نہ ہو اللہ کا خوف رکھنا اور عجز کرنا اور اپنے گناہوں کا معترف رہنا یہ اپنی ذات میں ایک بہت بڑی نیکی ہے اور اسی کی طرف آنحضور ﷺ اشارہ فرما رہے ہیں کہ جہاں تک خدا کی مالکیت کا تعلق ہے اس کی کوئی بھی حد نہیں ہے اس لئے کسی انسان کے لئے مایوسی کا کوئی بھی مقام نہیں ہے۔

پھر آنحضور ﷺ ایک اور شخص کے خوف کا ذکر کرتے ہیں۔ اس سے پتہ چلتا ہے کہ خوف خدا ہوتا کیا ہے اور بعض اوقات کس قسم کا خوف ہے جو بدیوں کو کھاتا ہے اور خدا تعالیٰ کو مغفرت پر آمادہ کرتا ہے۔

''حضرت سہل بن سعدؓ روایت کرتے ہیں کہ انصار میں سے ایک شخص پر اللہ تعالیٰ کی خشیت طاری ہوگئی اور وہ رونے لگا اور اتنی بڑی خشیت کہ اس نے اپنے آپ کو گھر میں قید کر لیا یعنی باہر نکلنا چھوڑ دیا۔ آنحضورﷺ سے اس کا ذکر کیا گیا تو آپؐ اس کے گھر تشریف لے گئے ۔ جب آپؐ اندر داخل ہوئے اور اس کی گردن کو ہاتھ لگا کر دیکھا کہ کیا حالت ہے تو وہ مر کر گر پڑا یعنی وہ آخری دموں تک پہنچا ہوا تھا۔ اس پر آنحضورﷺ نے فرمایا اس کی تجہیز و تکفین کا انتظام کرو کیونکہ خوف خدا اور خشیت الٰہی سے اس کا جگر ٹکڑے ٹکڑے ہو گیا ہے۔''

پس خشیت صرف نام لے لینا کہ ہم خشیت رکھتے ہیں، خشیت اور خوف رکھتے ہیں خدا کا یہ اور بات ہے اور ایک ہے اندرونی حالت انسان کی۔ وہ اندرونی حالت بعض دفعہ اتنا جوش دکھاتی ہے کہ جیسے آنحضورﷺ نے فرمایا خوف خدا سے واقعتہً اس کا جگر ٹکڑے ٹکڑے ہو گیا۔

پھر آنحضورﷺ کے متعلق حضرت عباس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ''ہم آنحضورﷺ کے ساتھ ایک درخت کے نیچے بیٹھے ہوئے تھے کہ ہوا چلی اور اس درخت کی خشک پتے گرے اور سبز پتے باقی رہ گئے تو آنحضورﷺ نے فرمایا ایسے درخت کی مثال کیسی ہے۔ صحابہؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ! اللہ اور اس کا رسول ہی بہتر جانتے ہیں۔ ہم تو جو کچھ سیکھتے ہیں آپؐ ہی سے سیکھتے ہیں۔ آپؐ فرمایئے، آپؐ بتایئے کہ اس درخت کی مثال کیسی ہے تو آپؐ نے فرمایا یہ ایک ایسے مومن کی مثال ہے جس کے اللہ کی خشیت سے رونگھٹے کھڑے ہو جائیں تو اس کے گناہ اس سے جھڑ جائیں گے اور اس کی نیکیاں باقی رہ جائیں گی۔'' (شعب الایمان بیہقی۔ الفصل الثانی ذکر آثار و اخبار وردت فی ذکر اللہ عزوجل)

تو خشیت سے مراد صرف ایک جذبہ نہیں ہے بلکہ جس طرح خزاں رسیدہ پتے جھڑ جایا کرتے ہیں ہوا کے جھونکے سے اس طرح گناہ جھڑ کر اس سے تعلق توڑ لیتے ہیں یہ مراد ہے خدا تعالیٰ کی بخشش کی اور سبز پتے وہ نیکیاں جو باقی تھیں اسی طرح رہ جاتی ہیں۔ وہ درخت تو چاہے کم سرسبز ہو یا زیادہ سرسبز ہو صرف سرسبز ہی رہے گا نیکیاں کم بھی ہوں گی تو وہ باقی رہ جائیں گی اور بدیاں زیادہ بھی ہوں گی تو جھڑ جائیں گی۔ وہ سوکھے ہوئے پتے دوبارہ تو نہیں درخت پہ لگ جایا کرتے۔

پس آنحضورﷺ نے نہایت ہی عارفانہ رنگ میں خشیت کے نتیجہ میں بخشش کی مثال کو واضح فرما دیا۔ آپؐ نے فرمایا کہ جس کا دل واقعتہً خدا سے ڈرتا ہے اس لمحہ میں جو اس کی بخشش ہوتی

ہے اس کا عملی ثبوت مومن کی زندگی میں یہ ملتا ہے کہ وہ بدیوں سے بے تعلق ہو جاتا ہے جس طرح ایک درخت ان سوکھے پتوں سے بے تعلق ہو جاتا ہے جو ہوا کے جھونکے سے اس کو چھوڑ گئے ہوں ہمیشہ کے لئے اور نیکیوں سے بے تعلق نہیں ہوتا بلکہ وہ مزید نشوونما پاتی ہیں کیونکہ سوکھے ہوئے پتے جب جھڑتے ہیں تو لازماً اس درخت کے سبز پتوں کو زیادہ خوارک ملا کرتی ہے۔

ایک اور موقع پر آنحضور ﷺ نے خدا تعالیٰ کی مغفرت کے حصول کے جو نکات ہیں باریک ان کو بیان کرتے ہوئے فرمایا اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں یہ حدیث میں نے آنحضور ﷺ سے ایک بار نہیں سات بار نہیں بلکہ اس سے بھی زیادہ بار مرتبہ سنی ہے۔

”آپؐ فرماتے ہیں کہ بنی اسرائیل میں ایک شخص کفل نامی تھا جو گناہ سے بچتا نہیں تھا۔ ایک دفعہ قحط کے نتیجہ میں جب غربا میں فاقہ کشی پھیل گئی اور جان بچانا مشکل ہوگئی تو ایک غریب عورت اس کے پاس آئی۔ اس سے اس نے اس کی عصمت کا سودا کیا اور کہا کہ میں تجھے اتنے روپے دوں گا اگر تو اپنی عصمت میرے پاس بیچ دے۔ وہ غریب عورت تھی اور اس کے گھر والے فاقے کر رہے تھے اس لئے اس کا کوئی اختیار نہیں تھا۔ آنحضور ﷺ فرماتے ہیں کہ وہ روتی رہی اور اس کا بدن کانپنے لگا اس پر اس نے پوچھا کہ کیا دیکھ رہا ہوں تو کیوں روتی ہے اور کیوں تیرا بدن کانپ رہا ہے؟ اس نے کہا کہ مجھے خدا تعالیٰ نے جس بدی سے بچائے رکھا ہے میں خدا کی خاطر تجھے واسطہ دیتی ہوں کہ مجھے اس بدی پر مجبور نہ کر۔ اس پر محض خوف خدا سے، رضائے باری تعالیٰ کی خاطر اس بندے نے فیصلہ کیا کہ میں اس سے باز آ جاؤں گا اور صرف یہی فیصلہ نہیں کیا آنحضور ﷺ فرماتے ہیں کہ اس نے عہد کیا کہ میں آئندہ کبھی بدی کے قریب نہیں جاؤں گا۔“ (سنن ترمذی کتاب صفۃ القیامہ والرقاق والورع)

یہ ہے مغفرت کا وہ نکتہ جس کو بعض اوقات بعض راویوں نے حدیث مکمل نہ بیان کرنے کے نتیجہ میں چھوڑ دیا اور لوگوں میں غلط فہمیاں پیدا ہوگئیں کہ اس کے بعد بھی گویا بد رہا اس کے بعد بھی ان گناہوں میں ملوث رہا اور پھر اللہ نے بخش دیا۔ ایسی کوئی بات نہیں ہے۔ آنحضور ﷺ واضح طور پر فرماتے ہیں کہ نہ صرف یہ کہ وہ رکا اس وقت بلکہ اس کے دل پر اللہ کا ایسا خوف طاری ہوا کہ اس نے فیصلہ کیا کہ میں آئندہ بدی کے قریب نہیں جاؤں گا اور خدا کی رحمت کی شان دیکھیں کہ اسی رات وہ مر گیا اور خدا نے اس کو ابتلا سے محفوظ کر لیا۔ یعنی بخشش کی ایک یہ بھی شان ہے۔ خدا جانتا تھا کہ وہ بندہ

کمزور ہے اس وقت اس کی حالت ایسی پیدا ہوگئی ہے کہ جس کے نتیجے میں اس نے بدیوں سے رکنے کا فیصلہ کیا ہے اور آئندہ شاید نہ رک سکے۔ ہم شاید کہتے ہیں اللہ کو تو علم ہوگا کہ وہ رک سکتا تھا یا نہیں رک سکتا تھا۔ تو اسی آخری فیصلہ کے وقت وہ اس کا آخری فعل تھا جس کے بعد اس کی وفات ہوگئی اور اللہ تعالیٰ نے اس کی مغفرت فرما دی بلکہ حدیث کے الفاظ یہ ہیں کہ

”رات وہ مردہ پایا گیا اپنے گھر میں اور اس کے دروازے پر یہ الفاظ لکھے ہوئے تھے کہ اللہ تعالیٰ نے اس نیکی کے بدلہ کفل کو معاف فرما دیا ہے۔“

یعنی صرف اس سے مغفرت ہی نہیں کی بلکہ ستاری کا بھی عجیب سلوک فرمایا اور اس کو تمام ان لوگوں کے سامنے سرخرو فرما دیا جو جانتے تھے کہ یہ انتہائی بد انسان ہے۔

تو استغفار کا معنی گناہوں سے بخشش کے معنوں میں بھی آتا ہے جس طرح کہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنے عرفان کے نتیجہ میں اس معنی کو پایا اور ہمارے سامنے بیان کیا۔ وہ یہ نہیں ہے کہ محض معافی مانگی جائے بلکہ بخشش طلب کی جائے ایک خاص جذبہ کے ساتھ۔ ایسا جذبہ جو روح کی پنہائیوں تک اثر انداز ہونے والا ہو۔ ایسا جذبہ جو بعض دفعہ جگر کے ٹکڑے ٹکڑے کر دے۔ ایک ایسا جذبہ جس کے نتیجہ میں انسان کا وجود کانپنے لگے اور اس طرح اس کی بدیاں جھڑ جائیں جس طرح خشک پتے ہوا کے جھونکوں سے جھڑ جایا کرتے ہیں اور اس کی نیکیاں قائم رہیں اور یہ ارادے دل سے بلند ہوں کہ آئندہ میں بدیوں کے قریب نہیں جاؤں گا اور استغفار ان معنوں میں انسان کرے کہ اے اللہ! مجھے بدیوں سے آئندہ محفوظ رکھنا اور میرے پچھلے گناہ معاف فرما دے۔ اس صورت میں اللہ تعالیٰ ایسے انسان کی بخشش فرما دیتا ہے اور اس لحاظ سے چونکہ وہ مالک ہے اس لئے کوئی گناہ کا درجہ یا مرتبہ یا اس کی کمیت اور کیفیت خدا کی بخشش کی راہ میں حائل نہیں ہو سکتے۔

پھر جیسا کہ میں نے کہا تھا انسان کا بندوں سے حسن سلوک، بندوں پر رحم کرنا یہ خدا تعالیٰ کو بہت پسند ہے۔ وہاں بھی دراصل جو واقعہ بیان ہوا ہے اس میں جذبہ رحم تھا جو غالب آیا۔ رحم شروع ہوا ہے ایک غریب عورت پر اور اس نے جنم دیا ہے پھر اللہ کے خوف کو اور وہ درجہ بدرجہ انسان ترقی کرتے کرتے اپنی کیفیت میں اس مقام کو پہنچ گیا کہ جہاں اللہ تعالیٰ کی بخشش واجب ہو جاتی ہے۔ پس بنی نوع انسان سے رحم کا بخشش سے بڑا گہرا تعلق ہے۔ چنانچہ حضرت رسول اکرم ﷺ اسی مضمون کو کھول

کر بیان اس طرح فرماتے ہیں کہ:

’’ایک شخص لوگوں کو قرض دیا کرتا تھا اور اس نے ملازم کو کہہ رکھا تھا کہ جب تو کسی کو تنگ دست پائے ، غریب ہو اور قرض ادا نہ کر سکتا ہو تو اس سے درگزر سے کام لیا کرو۔ اس سے کوئی سختی نہیں کرنی شاید اس طرح اللہ تعالیٰ ہمیں بھی معاف فرمادے۔ جب اس کی وفات ہوئی تو اس کو اللہ تعالیٰ نے معاف فرما دیا۔‘‘ (صحیح بخاری کتاب البیوع باب من انظر معسرا)

یہ خبر خدا تعالیٰ نے آنحضرت ﷺ کو دی ہے اور یہ بھی حدیث قدسی ہے۔ تو معلوم ہوتا ہے کہ اس کے فعل سے خدا تعالیٰ اس طرح راضی ہوا کہ اللہ نے خود آنحضور ﷺ کو اس کے حالات کا ذکر فرما کر اس کی بخشش کے متعلق اطلاع عطا فرمائی۔

جہاں تک استغفار کی روح کا تعلق ہے وہ دعا ہی ہے اور امر واقعہ یہ ہے کہ دعا اور اس عجز کا اظہار کہ ہم اپنی طاقت سے نیک نہیں ہو سکتے ، اپنے زور اور اپنی قوت سے کسی بدی کو چھوڑ نہیں سکتے اور کسی نیکی کو اختیار نہیں کر سکتے ۔ چنانچہ آخری تان استغفار میں دعا پر ہی ٹوٹتی ہے۔ دعا ہی استغفار ہے اور استغفار کے لئے بھی دعا ہی کرنی چاہئے اور آنحضرت ﷺ نے ایک بہت ہی پیاری دعا ہمیں اس سلسلہ میں سکھائی ہے۔

’’حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ انہوں نے آنحضرت ﷺ سے عرض کیا کہ یا رسول اللہؐ! مجھے کوئی ایسی دعا سکھائیں جو میں نماز میں مانگا کروں۔ تو آپؐ نے فرمایا یہ دعا مانگا کرو:

اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ ظَلَمْتُ نَفْسِیْ ظُلْماً کَثِیْراً وَّ لَا یَغْفِرُ الذُّنُوْبَ اِلَّا اَنْتَ فَاغْفِرْلِیْ مَغْفِرَۃً مِّنْ عِنْدِکَ وَارْحَمْنِیْ اِنَّکَ اَنْتَ الْغَفُوْرُ الرَّحِیْمُ

(مسند احمد بن حنبل جلد مسند العشرۃ المبشرین من الجنہ باب مسند ابی بکر)

کہ اے میرے اللہ میں نے اپنی جان پر بہت ظلم کیا ہے ظُلْماً کَثِیْراً بہت ہی گناہ کئے ہیں میں نے وَ لَا یَغْفِرُ الذُّنُوْبَ اِلَّا اَنْتَ لیکن یہ بھی جانتا ہوں اچھی طرح کہ تیرے سوا کوئی بخشنے والا نہیں ہے فَاغْفِرْلِیْ مَغْفِرَۃً مِّنْ عِنْدِکَ پس میری مغفرت اپنے حضور سے فرما۔ بہت ہی پیارا انداز ہے یہ دعا کا فَاغْفِرْلِیْ نہیں کہا صرف بلکہ فرمایا کہ اپنی جناب سے یعنی میرا استحقاق کوئی نہیں

ہے اسی مضمون کو مزید واضح فرما دیا، پہلے یہ کہو کہ میں اتنا گنہگار ہوں کہ گناہوں میں مَیں نے حد کر دی ہے تو اپنی جناب سے اپنے حضور سے عطا فرما دے۔ وَارْحَمْنِیْ اور میرا معاملہ تو رحم کا ہے استحقاق کا نہیں ہے، تو رحم فرما! اِنَّکَ اَنْتَ الْغَفُوْرُ الرَّحِیْم تو بہت بخشنے والا اور بہت رحم کرنے والا ہے۔

اس رنگ میں جماعت احمدیہ کو استغفار کرنی چاہئے۔ اول آنحضورﷺ کی سنت پر چلتے ہوئے گناہوں سے بچنے کی بکثرت استغفار، دوسرے ان گناہوں سے توبہ اس رنگ میں جس رنگ میں آنحضورﷺ نے واضح فرمایا اور دعاؤں میں نہایت عجز اور انکساری۔ یہاں یہ مسئلہ بھی حل فرما دیا آنحضورﷺ نے کہ نماز میں کوئی اور دعا جائز ہے کہ نہیں؟ یہ جو لوگ کہتے ہیں نماز کے بعد دعا کرنی چاہئے یہ حدیث اس تصور کو قطع کر رہی ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ نماز میں مسنون الفاظ کے سوا اور کوئی الفاظ نہیں کہے جا سکتے حالانکہ آنحضرتﷺ حضرت ابو بکرؓ کو اس سوال کے جواب میں یہ دعا سکھا رہے ہیں کہ یا رسول اللہؐ! مجھے نماز میں دعا کرنے کے لئے کوئی دعا بتایئے۔

پس اس دعا کو التزام سے جماعت احمدیہ اپنے لئے اختیار کر لے کیونکہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام فرماتے ہیں کہ اب جب کہ امن کی حالت میں ہو اپنے لئے استغفار کرو۔ جب وہ وقت آجائے کہ خدا کے عذاب پہنچ جائیں اور قوموں کو اپنی لپیٹ میں لے لیں وہ وقت استغفار کا نہیں ہوتا۔ (ملفوظات جلد ۳ صفحہ: ۱۷۳) پس آج جو تم استغفار کرو گے وہ مشکل وقتوں میں تمہارے کام آئے گی اور میں دیکھ رہا ہوں کہ یہ دنیا بڑی تیزی کے ساتھ تباہی کی طرف جا رہی ہے اور بہت ہی شدید مصائب دنیا پر پڑنے والے ہیں اور کوئی ملک جیسا کہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے پیشگوئی فرمائی تھی ان خطرات سے امن میں نہیں ہوگا۔ نہ جزائر کے رہنے والے، نہ ہندوستان، نہ پاکستان، نہ پنجاب کے لوگ اور بہت بڑی تباہیاں آنے والی ہیں۔ چند سال کا واقع ہو یا چند اور سال کا لیکن اب یہ مقدر ہو چکا ہے۔ انسان کے اعمال اتنے سیاہ ہو چکے ہیں اور اس کی جرأت خدا تعالیٰ کے خلاف اتنی بڑھ چکی ہے اور اس کے مظالم اس انتہا کو پہنچ چکے ہیں کہ جب یہ واقعات اس شدت سے ہونے لگیں تو اللہ کی پکڑ آجایا کرتی ہے اس لئے استغفار کریں اور کثرت کے ساتھ استغفار کریں کیونکہ آنحضرتﷺ فرماتے ہیں کہ وہ شخص جو استغفار کرتا ہے اور اس کے دل میں خدا تعالیٰ کی محبت ہوتی ہے اس وقت، اس کے دل کے کسی ذرہ کو بھی آگ نہیں پہنچ سکتی۔ کسی حصہ پر بھی خدا تعالیٰ کا

عذاب وارد نہیں ہوسکتا۔

پس ایسے دل بنالیں کہ جو خدا کی محبت اور اس کے پیار کے نتیجہ میں اور آپ کے استغفار کے نتیجہ میں خدا تعالیٰ کی پکڑ سے محفوظ رہیں اور اللہ تعالیٰ تمام دنیا پر بھی رحم فرمائے اور بنی نوع انسان کے لئے بھی احمدیوں ہی کو استغفار کرنے کی توفیق بخشے۔ آمین۔